



محدث فتویٰ
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

سوال

(277) بغیر اجازت ولی پڑھایا گیا نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری بیوہ لڑکی کا نکاح بغیر میری مرضی کے پڑھا دیا جو نکاح بغیر اجازت ولی پڑھایا گیا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

ہر نکاح میں لڑکی کے ولی کی شرکت لازمی ہے۔ اگر لڑکی مطلقاً یا بیوہ ہے۔ تو اختلاف کی صورت میں اس کی رائے کو ولی کی رائے پر ترجیح دی جائے گی بحکم حدیث شریف الشیہہ احت بنسحاق حنفیہ کے نزدیک ولی کی ضرورت نہیں واللہ اعلم۔ (المجملہ ص 27 امرتسر 27 جمادی الاول 1364 ہجری)

شرفیہ

صورت مرقومہ میں بحکموا نکحوا الایامی منکم - الایۃ - وحدیث

لانکاح الابولی وشاہدین الحدیث رواہ احمد والاریعہ وصحہ ابن الدینی ولترمذی وابن حبان وعلی بالارسال وحدیث قال صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیا فنکاحا باطل اخرجہ الاربیۃ الانسانی وصحۃ ابو عوانہ وابن الجبہان والحاکم

(بلوغ المرام ص ۷۴) نکاح صحیح نہیں۔ اور بیوہ کی ترجیح مستلزم انعقاد نکاح نہیں اجازت ولی شرط ہے احت اسم تفضیل ہے حق ولی کا بھی ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

لانکاح الابولی

میں نے عبد الجبار صاحب عمر بلوری کا مضمون مندرجہ اخبار البحدیث 3 محرم الحرام 1331 ہجری دیکھا۔ جس میں مولانا نے باکرہ و یتیمہ کے ساتھ ولی کی شرط کو قائم فرمایا ہے۔ میں نے اپنے مضمون مندرجہ اخبار البحدیث 29 نومبر 1912ء میں امام داؤد الظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو پسند کرتے ہوئے دو احادیث کی تطبیق سے نتیجہ نکال کر ظاہر یہ کہ مذہب کو راجح بتلایا تھا۔ اب مولانا کے مضمون اور خاکسار کے مضمون میں اس قدر فرق ہے۔ کہ میں صرف یتیمہ کے ساتھ ولی کی شرط کو رفع کرنا چاہتا ہوں۔ اور مولانا باکرہ و یتیمہ کے



ساتھ شرط ولی کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ولی ارکان صحت نکاح سے نہیں۔ جس کا ثبوت خود مولانا کے مضمون سے ملتا ہے۔ جہاں مولانا نے آیت - **فَانِ طَلَقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَخْرُجَ** کی تفسیر و تشریح میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ "و فعل نکاح کی نسبت عورت کی جانب کی گئی ہے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح بغیر عورت کی رضامندی و خوشی کے نہیں ہو سکتا۔ کسی کو اس پر جبر کرنے کا استحقاق حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اس کی جانب نکاح کی نسبت ہر طرح صحیح درت ہے" آیت قرآنی اور مولانا کی تشریح سے ظاہر ہے۔ کہ عورت معاملہ نکاح میں خود مختار ہے۔ بغیر رضامندی عورت کے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس کے خلاف منشاء کسی کو حق جبر بھی حاصل نہیں ہے۔ پس جب وہ مجبور نہیں ہو سکتی۔ تو ولی کی شرط کا قیام بھی لغو ہے۔ یہ کیا معنی کے جب عورت کی رضامندی اور خوشی پر عقد موقوف ہو۔ اور پر اس کے ساتھ ولی کی قید بھی لگادی جائے۔ یہی ایک ایسی وجہ ہے۔ کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے باکرہ اور ثیبہ کے ساتھ ولی کی قید کو مطلق نکال دیا۔ اکثر آئمہ کبار و دیگر اکابر دین نے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ کہ ولی کی نکاح کی شرط نہیں اور نہ اس پر صحت نکاح موقوف ہے۔ میں نے اپنے سابقہ مضمون میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کو اسی استدلال میں لکھا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

لیس الولی من الرکان صۃ النکاح بل من تمامہ

یعنی ولی صحت نکاح کا رکن نہیں بلکہ ولی کی حاجت صرف اتمام مقصود کے لئے ہے۔ "سراج الوہاج" میں نواب صدیق الحسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے۔

قالوا فکل امرأہ بلغت ذہبی اہق بنفسها من ولیماء وعقدہا علی نفسها النکاح صحیح وبہ قال الشیخ الذہیری قالوا ویس الولی من الرکان صۃ النکاح بل من تمام

یعنی علماء نے کہا کہ جو عورت بالغ ہو۔ وہ اپنے نفس کی ولی سے زیادہ مستحق ہے کہ وہ اپنا عقد خود کرالے۔ اور ایسا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اور یہی امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ امام شعبی دامام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور شعبی وزہری وغیرہ نے کہا ہے کہ ولی ارکان صحت نکاح سے نہیں بلکہ صرف اتمام حجت کے لیے ہے۔ (اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے) غرض یہ مسئلہ ہے۔ کہ ولی صحت نکاح کی شرط نہیں۔ اسی وجہ سے مقدم عورت کی رضامندی سکوت اور اجازت پر موقوف رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عورت ولی کے مجوزہ شخص سے ناراض ہو تو یہ نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ پھر ایسی حالت میں ولی کی قید کیوں لگائی جائے۔ جو تشریح مولانا نے آیت مذکورہ کی کی ہے وہ ناقض وغیرہ کافی ہے۔ جس کی تکمیل میں میں نے یہاں تک کیا ہے۔ مگر اتنا تو میں ضرور کہوں گا کہ مولانا نے بھی اپنی عبارت میں عورت کی رضامندی کو مقدم کر کے اس کو جبر و تعدی سے بری رکھا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ولی کی شرط کو قائم کر لینا البتہ محل اعتراض ہے۔ میں نے مضمون سابقہ میں ثیبہ کے ساتھ بنص صریح ولی کی شرط کو رفع کرتے ہوئے عقلا اس کی تجربہ کاری کی وجہ بتائی تھی۔ جس پر مولانا نے اعتراض کر کے دلیل پیش کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت کی شہادت نقصان کی وجہ سے نہیں لی جاتی۔ بلکہ دو عورتوں کی شہادت بمنزلہ ایک مرد کی گواہی کے ہوتی ہے۔ مگر مولانا نے اس ضرب المثل کا بالکل خیال نہ کیا۔ کہ دیوانہ بھی اپنے مطلب کا سیانہ ہوتا ہے۔ شہادت کا قیاس انصاف کے ذاتی نفع نقصان پر مبنی ہوتا ہے۔ اور شخص ثالث کے لئے شہود کی ہمدردی اس قابل نہیں ہو سکتی۔ کہ حاکم مجرد ایک عورت کی گواہی پر اعتماد کر لے ظاہر ہے کہ ذاتی نفع نقصان کو ایک حد تک مجنون بھی سمجھ بوجھ سکتا ہے۔

بعض معاملات میں ذاتی امور پر فوری تصفیہ کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر زانی خود کہہ دے کہ میں نے ذنا کیا ہے۔ تو وہ حدود یا رجم کا بلا ضرورت شہود مستحق ہو جاتا ہے۔ اقبالی ڈگریں برابر نافذ ہوا کرتی ہیں۔ غرض یہ کہ مسئلہ شہود اور ہے۔ اور بحث نکاح اور اس کے قطع نظر تجربہ کاری سے میرا مقصود یہ نہیں کہ وہ عقل کی پہنچت ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کا پسپے پہلے شوہر کے طرز معیشت اور طریقہ خانہ داری اور امور نفع و نقصان پر غور کر کے دوسرے خاوند کو اپنے اس تجربہ کے لحاظ سے خود بلا دلی کے تجویز کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں جابر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ثیبہ کے جس تجربہ کا اظہار کر رہا ہے۔ وہی مرا مقصود اصلی ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ان عبد اللہ بلک وترک تسع بنات او قال سبع بنات فتزوجت امرأۃ شیبہ فقال فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا جابر فی تزوجت قال قلت نعم ال فیکرام شیبہ قال قلت بل شیبہ یا رسول اللہ قال فلما جاریۃ تلاعبھا وتلاعبک او قال تفاکھا وتضاک قال قلت لہ ان عبد اللہ بلک وترک تسع بنات او سبع بنات وانی کرہت ان اتینن او اچیشن بمثلن فاجبت ان اچی بامرأۃ تقوم علیہن وتصلن قال فبارک اللہ لک او قال لی خیرا

خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے۔ کہ "حضور ﷺ نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم نے ایک باکرہ لڑکی سے عقد کیوں نہ کر لیا۔ جو تم اس سے ہنستے کھیلتے اور وہ تم سے ہنستی کھیلتی

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عبد اللہ نے 9 یا 7 لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کیا اون کی پرورش اور اصلاح حال و بہودی کے لئے ایک تجربہ کار ثبہ کے عقد ہی کو میں نے پسند کیا۔

اس حدیث کے ملاحظہ سے واضح ہو گیا۔ کہ میں نے مضمون سابقہ میں جس ثبہ کے تجربہ کاری کا اظہار کیا ہے۔ اس سے میرا مطلب یہی ہے۔ اس حدیث میں باکرہ اور ثبہ کے تجربہ و عدم تجربہ کا ایک حد تک پتہ بھی چلتا ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

والبحر تستاذن اور الثیب احق بنفسها من ولیها

اور اگر بالفرض محال موافق فرمان مولانا صاحب ان کے نقصان عقل کو تسلیم کر لیں تو پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ عورت کی رضامندی کیوں مقدم رکھی گئی ہے۔ اور وہ اولیاء سے اس کے خلاف منشاء بھی کیوں مجبور و مقصور نہیں ہوتی۔ جب اس طرح نہیں تو یہ بھی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ ذاتی اور نفسی معاملہ میں نظیر مسئلہ شہود پیش کیا جائے اور نقصان عقل کی مثال دی جائے۔ اس بحث کے بعد میں یہ عرض کروں گا۔ کہ ان امور متنازعہ کا تصفیہ امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بطور کافی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پرچہ 29 نومبر 1912ء میں عرض کر دیا ہے۔ کہ دو احادیث کی تطبیق سے نتیجہ صاف نکلتا ہے۔ کہ باکرہ اپنی کم سنی اور پسے ماں باپ کے لاڈ پیار اور عدم تجربہ کے لحاظ سے گواس کی بھی اجازت چاہیے۔ جو محض سکوت پر مبنی ہے۔ مگر دل کی شرط ضرور ہے۔ جس میں لانکاح الاولیٰ۔ و لبحر تستاذن۔ فرمان نبوی ﷺ کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ ارثبہ بوجہ اس کے کہ وہ پہلے خاوند کی سر دو گرم طبیعت سے واقف ہے اور وہ اپنی ذات کے لئے خوب انتخاب کر سکتی ہے۔ جو الثیب احق بنفسها من ولیها کو شامل ہے۔ محدثین کی شان یہ ہے کہ جب احادیث دو معنی پر ایک ہی نوعیت کی ہوں۔ تو اس میں تطبیق دی جائے۔ مگر مولانا نے تطبیق کا لحاظ نہ فرمایا ناظرین اخبار 29 نومبر 1913ء کو جس میں میرا پہلا مضمون ہے۔ اس مضمون کے ساتھ پڑھیں۔ خدا نے زندہ رکھا تو ان شاء اللہ اس پر اور روشنی ڈالی جائے گی۔ فقط۔ راقم البو نعیم۔ محمد عبد العظیم حیدر آبادی (الحدیث 5 ربیع الثانی 1331 ہجری)

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

فتاویٰ ثنائیہ امرتسری

جلد 2 ص 277

محدث فتویٰ